پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

# خواتین کا اسلام

1002
بدھ 27 ذی الحجہ 1443ھ مطابق 27 جولائی 2022ء

Regd.No:MC1437

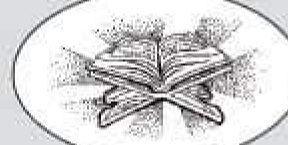
## الف نمبر

3

## میزان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## القرآن



### استہزاء منافقوں کی عادت

منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نہ نازل ہوجائے جو انھیں منافقوں کے قلبی خیالات کے بارے میں مطلع کردے، کہہ دیجیے! تم مذاق کیے جاؤ، جس بات سے تم ڈرتے ہو اللہ اسے ضرور ظاہر کرے گا، اگر تم ان سے پوچھو تو وہ جواب دیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کررہے تھے، کہہ دیجیے! کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کرتے ہو۔
{التوبہ۔ ۶۴-۶۵}

## الحدیث



### استہزائیہ سوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزا کے طور پر سوال کرتے تھے۔ ایک پوچھتا میرا والد کون ہے؟ دوسرا سوال کرتا میری اونٹنی گم ہوگئی ہے وہ کہاں ملے گی؟ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری (جس کا مفہوم یہ ہے):
"اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمھیں برا لگے۔" {بخاری}

## خواتین کے دینی مسائل

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

### کرسی پر نماز ادا کرنے کے احکام:

سوال: آٹھ ماہ کی حاملہ خاتون جنھیں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے، کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرسکتی ہیں یا زمین پر بیٹھنا ضروری ہے؟

جواب: جو خاتون حمل یا کسی بھی عذر سے قیام پر قادر نہیں، یا قادر ہے لیکن قیام میں بہت تکلیف اور مشقت پیش آتی ہے تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہے۔ مسنون اور افضل طریقہ تو یہی ہے کہ نماز زمین پر بیٹھ کر ادا کرے، کرسی پر بیٹھ کر ادا کرنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے۔

اگر رکوع سجدہ پر قادر ہے تو دونوں صورتوں میں باقاعدہ رکوع سجدہ کرنا فرض ہے، محض اشارہ کافی نہیں۔ زمین پر ہے تو زمین پر سجدہ کرے اور کرسی پر ہے تو چاہے سامنے تختہ یا میز وغیرہ رکھ کر اس پر سجدہ کرے، یا میز کے بغیر جھک کر اشارے سے سجدہ کرے۔ نیز ضروری ہے کہ یہ تختہ اونچائی میں کرسی کے برابر ہو یا معمولی سا اونچا ہو، اگر دو اینٹ (۹ انچ) اونچا ہے تو سجدہ ادا نہ ہوگا۔

اور اگر معذور خاتون رکوع سجدہ پر قادر نہیں تو دونوں کے لیے اشارہ کافی ہے۔

### معذور کا قضاء نمازیں کرسی پر ادا کرنا:

سوال: معذور خاتون حالتِ صحت کی قضا شدہ نمازیں حالتِ مرض وعذر میں کرسی پر بیٹھ کر اشارے سے ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح حالت صحت کے واجب شدہ سجدۂ تلاوت مرض میں کرسی پر بیٹھ کر اشارے سے ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ادا کرسکتی ہے تو عذر زائل ہونے کے بعد ان نمازوں اور سجدوں کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: معذور خاتون حالتِ صحت کی قضا شدہ نمازیں حالت مرض میں کرسی پر بیٹھ کر اشارے سے ادا کرسکتی ہیں، اسی طرح زمانۂ صحت کے سجدے بھی مرض میں اشارے سے ادا کرسکتی ہیں، صحت یاب ہونے کے بعد ان نمازوں اور سجدوں کا اعادہ بھی واجب نہیں۔

### غیر مسلموں کے ساتھ معاملات ومعاشرت کی تفصیل:

سوال: میں کراچی کے ایک کیمبرج سسٹم میں پڑھاتی ہوں۔ اس میں کرسچین بچوں کی بڑی تعداد ہے، اور پرنسپل سمیت کئی عیسائی خواتین ٹیچر بھی ہیں۔ میرے لیے یہاں نماز اور پردے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، البتہ ان بچوں اور ساتھی ٹیچروں کے ساتھ بہت دوستانہ ماحول میں رہنا ہوتا ہے، ان کے ساتھ مل کر ایک ہی برتنوں میں کھانا پینا ہوتا ہے۔ ازروئے شرع ان کے ساتھ اس طرح اٹھنا بیٹھنا اور ایک ہی برتن میں کھانا پینا کیسا ہے؟ کیونکہ میرے لیے الگ برتن اور گلاس رکھنا ممکن نہیں ہے، اس سے وہ ٹیچر خواتین ناراض ہوجائیں گی، نیز مسلمان معاشرے میں رہنے کے سبب اگر عیسائی بچوں اور بڑوں کے منہ پر السلام علیکم رہتا ہے، انھیں جواب کن الفاظ میں دیا جائے؟ (ج۔ س۔ کراچی)

جواب: اگر مجبوری کے تحت آپ یہ ملازمت کررہی ہیں تو آپ کے لیے گنجائش ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ دنیوی معاملات، اظہار ہمدردی، خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ سب جائز ہے، صرف محبت ومودت اور دلی دوستی ناجائز ہے۔ مجبوری میں ان کے ساتھ مل کر کھانے کی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ کھانا حلال ہو، ان کے ہاتھ کا ذبح کیا گوشت ہو تو اس سے احتیاط کیجیے۔

باقی اس ماحول میں رہتے ہوئے اپنے دین پر استقامت کا مظاہرہ کیجیے اور اپنے قول وعمل کے ذریعے غیر مسلموں کے سامنے ایسا پاکیزہ نمونہ پیش کیجیے کہ وہ دین اسلام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ سلام کرنا جائز نہیں، وہ خود سلام کرے تو جواب میں وعلیکم کہیے یا **والسلام علی من اتبع الھدیٰ**۔

☆☆☆

# علمی درسگاہوں کی روشنی

3

ریحانہ تبسم فاضل

ماسٹر صاحب خوش ہوگئے، پھر ابا جی سے کہنے لگے: ''آج ہی بازار جا کر دو تختیاں لے آنا۔ ساتھ میں دو قلم بھی لانا۔ ملتانی مٹی لا کر تختیوں کو پوت کر رکھنا، کالی سیاہی تختی پر عبارت لکھنے والی بھی لانا۔ ایک چوڑی لائن والی کاپی لے آنا، ایک ہولڈر ایک زیڈ کی نب، ایک پنسل، ایک فٹا بھی ضرور لانا۔ میں کل سے چار بجے آیا کروں گا۔''

پھر ابا جی اٹھ کر باورچی خانے میں چلے گئے (میرے ابا جی باورچی خانے کے بہت سے کاموں میں بڑے ماہر تھے)۔ ماسٹر صاحب مجھے کچھ مفید باتیں بتا رہے تھے کہ ابا جی نے ایک چھوٹی میز پر چائے کی کشتی (ٹرے) رکھی اور پھر ابا جی نے ان سے چائے پینے کے لیے کہا۔

ماسٹر صاحب میری معلومات میں اضافہ کرتے رہے اور چائے پیتے رہے۔ انھیں ابا جی کے ہاتھ کی چائے بہت پسند آئی۔ کچھ دیر بعد ماسٹر صاحب اپنے گھر چلے گئے۔ میں ابا جی کے ساتھ بازار گئی اور تمام چیزیں لے کر آگئی۔ ابا جی نے ملتانی مٹی ایک مٹی کے پیالے میں بھگوئی اور تختی پوتنے لگے۔ میں نے ابا جی سے کہا، دوسری تختی میں پوتوں گی۔ ابا جی نے مجھے ترکیب بتائی اور میں نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے تختی پوت لی۔ اماں جی اور چچی جان اس وقت قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ابا جی نے دیوار کے سہارے تختیاں سوکھنے کے لیے رکھ دیں اور دکان پر چلے گئے۔ میں اماں جی کے پاس بیٹھ کر اپنا سپارہ پڑھنے لگی۔ پھر میں نے چچی جان کے پاس بیٹھ کر اسکول کا کام کیا۔

دوسرے دن ماسٹر صاحب اپنے وقت پر پہنچ گئے۔ انھوں نے دونوں تختیوں پر لائنیں کھینچیں، پھر پنسل سے الفاظ دونوں تختیوں پر لکھے اور مجھ سے کہنے لگے: ''قلم کو سیاہی میں ڈبو کر اس طرح قلم اِن الفاظ پر پھیرنا ہے۔''

میں بغور ماسٹر صاحب کے قلم کو دیکھتی رہی، پھر میں نے اسی انداز سے لکھنا شروع کیا۔ ماسٹر صاحب میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

دونوں طرف سے جب تختی لکھ کر انھیں دکھائی تو آپ نے مجھے شاباشی دی۔ ابا جی موجود تھے اور کل کی طرح ماسٹر صاحب کی خدمت میں چائے پیش کر چکے تھے۔

ماسٹر صاحب نے اب مجھے زیڈ کی نب سے لکھنے کا طریقہ سکھایا۔ تمام الفاظ پنسل سے لکھے ہوئے تھے، مجھے صرف ہولڈر سے پنسل پر ہاتھ پھیرنا تھا۔

کاپی کے دو صفحات میں نے لکھ کر ماسٹر صاحب کو دکھائے۔ ماسٹر صاحب کچھ دیر اور بیٹھے اور میرا قرآن کا سبق بھی سنا، پھر دادا جی کی قرآن سے محبت کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور مجھ سے کہنے لگے:

''میری بچی! میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ جو بچے اپنے استاد کی عزت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی عزت بڑھاتا ہے اور جو اپنے استاد سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن سے محبت کرتا ہے۔ میری بچی! تمام اساتذہ کا احترام کرنا لیکن جو اساتذہ ہمیں دینی تعلیم دیں ان کا تو اور زیادہ احترام کرنا۔''

☆......الحمدللہ! میں صبح سے عشاء تک اپنے کاموں میں مصروف رہتی اور پھر عشاء کے بعد (ڈیڑھ گھنٹہ) استادِ محترم کا وعظ سننے کے بعد اپنی اماں جی کے پلنگ کے پاس اپنی چارپائی پر لیٹتی۔ میری اماں جی رات کے معمولات قدرے بلند آواز میں پڑھتیں، میں ان کے ساتھ ساتھ پڑھتی۔ پھر اماں کو سلام کر کے قبلہ رخ ہو کر سو جاتی۔

وقت کچھ اور آگے بڑھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ماسٹر صاحب سے خوش نویسی لکھتے ہوئے ایک ماہ ہو گیا ہے۔ پھر مجھے یاد آیا کہ آج سے ماسٹر صرف ایک لائن تختی پر اور ایک لائن کاپی پر لکھ کر دیں گے، باقی مجھے خود لکھنا ہوگا۔

ایک ماہ بعد ماسٹر صاحب نے املا نویسی کا آغاز کیا اور مجھے تختی میں دس میں سے نو اور املا نویسی میں بھی دس میں سے آٹھ نمبر دے کر بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ ابا جی بھی بہت خوش تھے۔ ماسٹر صاحب کے جانے کے بعد میں نے سب سے پہلے اپنی تختی اور کاپی اماں جی کو دکھائی۔ انھوں نے حسبِ عادت مجھے سینے سے لگا کر پیار کیا، گھر میں سب نے میری حوصلہ افزائی کی اور سب نے مجھے انعامات دیے۔

دوسرے دن جب میں بوا جی کے ساتھ حویلی کے پھاٹک سے گزر کر اپنی دُکان پر پہنچی تو والد صاحب کے وہ تمام دوست دکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سب کو سلام کیا۔ ابا جی بھی دکان میں موجود تھے۔ انھوں نے میرا بستہ میرے کاندھے سے اتارا۔ اس میں سے اردو کی املا نویسی کی کاپی کھول کر اپنے دوستوں کے سامنے رکھ دی۔ میری مس نے مجھے دس میں سے نو نمبر دیے ہوئے تھے اور کاپی پر شاباش کے الفاظ بھی لکھے ہوئے تھے۔

وہ بڑے غور سے میری کاپی دیکھتے رہے۔ میرے ابا جی نے انھیں میری اب تک کی کارکردگی بتائی۔ انھوں نے ابا جی سے معذرت کی اور کہنے لگے:

''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات!''

پھر میرے سر پر ہاتھ رکھ کر میری محنت کی تعریف کی۔ (جاری ہے)

مدیرِ اعلیٰ: مفتی فیصل احمد | مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان | مدیرِ مسئول: محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرِ تعاون: اندرونِ ملک 1200 روپے، بیرونِ ملک ایک میگزین 18000 روپے، دو میگزین 20000 روپے

ایک عبرت انگیز کہانی

# احسان

خوشی صرف امراء کی چوکھٹ پر نہیں ملتی، ہر گھر، ہر دل کو نصیب ہوتی ہے

اُس کے پاس بھی خوشی کے باعث ڈھیروں نعمتیں تھیں، مگر اسے ان کی قدر نہ تھی، پھر ایک دن...!

شازیہ نور

گھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف کبھی کبھار برتن اِدھر اُدھر کرنے کی آواز گونجتی اور پھر سناٹا چھا جاتا۔

فرید بہت دیر سے گم صم بیٹھا در و دیوار کو گھور رہا تھا۔ دیواروں کے رنگ بھی اُس کے دل کی طرح اداس اور پھیکے لگ رہے تھے۔

''کتنے سال ہو گئے سفیدی کروائے ہوئے۔''

یونہی اسے خیال آیا۔ ''مگر سفیدی (قلعی) کہاں سے کرواؤں، جب گھر کا خرچہ ہی نہیں چلا پا رہا......!'' وہ خود سے ہی محوِ گفتگو تھا۔

''یہ لیں، کھانا کھا لیں۔''

اچانک سکوت کو توڑتی اس کی بیوی نبیلہ کی آواز گونجی۔

اس نے اچٹتی سی نگاہ بیوی پر اور پھر کھانے پر ڈالی۔ ایک ٹرے میں بڑے سلیقے سے رکھا ہوا کھانا اور پانی کا گلاس، اُس کی بیوی کے سگھڑاپے کی گواہی دے رہا تھا۔ نبیلہ خود تو اتنی حسین نہیں تھی مگر گھر کو بہت چمکا کر رکھتی تھی اور دال روٹی بھی یوں سجا کر لاتی تھی کہ جیسے قورمہ، بریانی ہو۔

وہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔ واپس آیا تو نبیلہ ایک پھول دار دسترخوان بچھا چکی تھی۔ دسترخوان پر کھانا لگاتے ہوئے وہ بولی:

''نوید کے بابا آپ پریشان نہ ہوں، اللہ میاں ضرور کوئی بندوبست فرما دیں گے، ہو جائے گی بچوں کی فیس بھی ادا۔''

''مگر کہاں سے اور کب؟ کیسے دونوں بچوں کی چار ماہ کی فیس جمع ہو گی؟''

فرید کے لہجے سے یوں لگتا تھا بس ابھی رو پڑے گا۔

''آپ مایوس کیوں ہوتے ہیں۔ یہ میرے کنگن کس دن کام آئیں گے؟'' اس نے اپنے بازو میں پہنے کنگن کو گھماتے ہوئے کہا اور پلیٹ فرید کے سامنے رکھ دی۔

''نہیں نہیں...... اب تمھارے پاس رہ ہی کیا گیا ہے نبیلہ! پہلے بھی تم نے گھر کا خرچہ چلانے کے لیے اپنا زیور بکوا دیا تھا، تمھارے والدین کی نشانی ہے، میں انھیں نہیں بیچوں گا۔'' فرید نے انکار میں سرہلاتے ہوئے یقینی لہجے میں کہا۔

''ارے پھر کیا ہوا؟ جب آپ کا کاروبار پھر سے چمک جائے گا تو اور بنوا لوں گی زیور!'' نبیلہ نے مسکرا کر کہا۔

دونوں میاں بیوی اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے کھانا کھانے لگے۔

نبیلہ بچوں کو جلدی کھانا کھلا کر سلا دیتی تھی تاکہ صبح اسکول جانے میں دیر نہ ہو۔ یوں بھی فرید بچوں کے شور سے غصے میں آجاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بیٹا اور ایک بیٹی سے نواز رکھا تھا، جبکہ تیسرے بچے کی آمد بھی ایک ماہ بعد متوقع تھی۔

جب اس کی شادی ہوئی تھی تو اس کی چپلوں کی چھوٹی سی دکان تھی۔ ماں نے نبیلہ کے گن دیکھ کر ہی اسے فرید کے لیے پسند کیا تھا۔ اگرچہ فرید کو نبیلہ بظاہر پسند نہیں آئی تھی مگر ماں کی مرضی کے سامنے وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

نبیلہ نے جلد ہی بہت احسن طریقے سے گھر کا نظام سنبھال لیا اور بچت کر کے فرید کے کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا، یوں بہت جلد اس کی دکان بڑی ہو گئی۔ پھر اچانک کورونا کی وبا پھیل گئی اور اس کا کاروبار ماند پڑتا گیا۔ کچھ مہینے تو خیر سے گزر گئے، مگر کب تک، نوبت یہاں تک پہنچی کہ کچھ کھاتے پیتے دوستوں سے قرضہ لینا پڑا، جو آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا۔ جب لوٹانے کا وقت آیا تو کاروبار بس رینگ رہا تھا۔ قرض خواہوں کے مطالبے بڑھے تو زیور بیچنے کا فیصلہ کیا۔ فرید کی ماں نے دلھن کو دو تولے کا

سیٹ دیا تھا۔ وہ بھی اُس نے اپنے زیور میں سے بچا کر رکھا تھا۔ وہ ساس کی نشانی تھی جو بک گئی اور یہ دو تولے کے کنگن نبیلہ کی ماں کی طرف سے تھے۔ دونوں چیزیں ہی نبیلہ کو بے حد پیاری تھیں لیکن نبیلہ نے بہت خوش دلی سے زیور شوہر کے حوالے کر دیا۔

فرید نے اپنی ماں کا دیا ہوا سیٹ تو فروخت کے لیے اٹھا لیا مگر کنگن نبیلہ کو واپس کر دیے۔ دو تولے کا سیٹ بیچ کر قرضہ بھی اتر گیا اور گھر میں کچھ راشن بھی آ گیا، مگر حالات تھے کہ قابو میں ہی نہیں آ رہے تھے۔ کاروبار میں وہ پہلے جیسی بات ہی نہیں رہی تھی، پھر بھی جیسے تیسے گزارہ ہو ہی رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دو سال گزر گئے۔ اب حالات میں کچھ سدھار آنا شروع تو ہوا تھا مگر کاروبار بڑھانے کے لیے سرمایے کی ضرورت تھی اور اِس مرتبہ چار ماہ سے بچوں کی فیس بھی ادا نہیں ہو سکی تھی۔ انہی فکروں نے فرید کو جکڑ رکھا تھا اور وہ چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر بچوں کو ڈانٹنا اور بیوی سے منہ پھلا کر رکھنا گویا اس کی عادت ہی بن گئی تھی۔ نبیلہ اس کی کیفیت سمجھ رہی تھی اسی لیے اُس نے اپنے کنگن بھی قربانی کے لیے پیش کر دیے تھے۔

''آپ کو پتا ہے نوید کے بابا! سونا کتنا مہنگا ہو گیا ہے؟''

نبیلہ نے برتن سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''کتنا؟'' اس نے بے دلی سے پوچھا۔

''ایک لاکھ سے بھی اوپر چلا گیا ہے۔'' نبیلہ نے ایک لاکھ پر خوب زور دے کر کہا۔

''اوہ...... پھر تو ہمارا بہت نقصان ہو گیا۔'' فرید نے چونک کر کہا۔

''نقصان!...... وہ کیسے؟'' نبیلہ پر تشویش لہجے میں بولی۔

''وہ جو میں نے تمھارا سیٹ بیچا تھا وہ تو صرف پینسٹھ کے حساب سے بکا تھا، سنار نے پورے سیٹ کے ایک لاکھ تیس ہزار دیے تھے، اب اگر وہ سیٹ ہوتا تو کم از کم دو لاکھ تو ملتے......!'' فرید کو واقعی افسوس ہو رہا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے لیکن ہماری اس وقت کی ضرورت تو پوری ہو ہی گئی تھی الحمدللہ!''

نبیلہ نے تسلی دی۔

نبیلہ تو برتن سمیٹ کر چلی گئی مگر فرید کے ذہن میں ایک ہلچل اور بے چینی سی پیدا ہو چکی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُس سنار کو کتنا فائدہ ہوا ہوگا۔ فرید کے ذہن میں وہ وقت گردش کرنے لگا جب وہ مختلف سناروں سے سیٹ کا بھاؤ کرتا بالآخر عروج جیولرز پہنچا تھا اور وہاں تو ہر شے ہی عروج پر لگتی تھی۔ دکان پر ہر جانب لگے آئینے، دکان کی سجاوٹ، دکان کا فرنیچر اور سب سے بڑھ کر دکان کا مالک کامران بٹ، وہاں ہی اس سیٹ کی قیمت سب سے زیادہ مل رہی تھی۔

کامران بٹ خوب صورت اور پرکشش جوان مرد تھا۔ اس کی صورت دیکھ کر فرید کی نگاہ آئینے میں اپنی صورت پر پڑی تو اسے شدید احساس کمتری محسوس ہونے لگا۔ گہرا سانولا رنگ اور اڑے اڑے بال اس نے فوراً ہی نگاہ اپنے چہرے سے ہٹالی۔ کامران بٹ خوش اخلاق بھی بہت تھا، اُس نے فرید سے بہت شائستہ انداز میں گفتگو کی اور نئے نئے نوٹ گن کر اس کے حوالے کیے، پھر اس کے لیے ٹھنڈا جوس بھی منگوایا، فرید کو کامران بٹ بہت اچھا لگا اور وہ خوشی خوشی پیسے احتیاط سے جیب میں رکھ کر گھر واپس آ گیا تھا۔ پھر جب بھی اسے کامران بٹ کا خیال آتا، اسے اچھا ہی محسوس ہوتا

لیکن آج نجانے کیا ہوا تھا وہ عجیب سی کیفیت میں تھا۔ صبح بچوں کو اسکول چھوڑ کر وہ واپس آیا تو نبیلہ نے دونوں کنگن اسے تھما دیے۔

''پہلے یہ بیچ آئیں تا کہ دکان کا سامان بھی آ سکے اور فیس بھی ادا ہو جائے۔''

نبیلہ نے مسکرا کر کہا۔

فرید نے بے دلی سے وہ کنگن لے لیے اور بیوی سے کچھ نہ کہا۔ اب اس کی منزل ''عروج جیولرز'' ہی تھی۔ وہ سیدھا وہاں پہنچا، راستے بھر یہی خیال اسے ستاتا رہا کہ کامران بٹ کتنے فائدے میں رہا اور اس کا کتنا نقصان ہو گیا۔

وہ دکان میں داخل ہوا تو کامران بٹ کی سیٹ پر کوئی دوسرا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ ''معلوم نہیں کامران بٹ کیوں نہیں آیا، چلو اسے ہی دکھا دیتا ہوں کنگن!'' فرید نے دل میں خود سے کہا اور سنار کو کنگن دکھانے لگا۔

سنار نے پہلے سونے کو جانچا، پھر تولا اور فرید سے مخاطب ہوا:

''ایک لاکھ ستر ہزار!''

''یہ تو بہت کم قیمت ہے، وہ کامران بٹ صاحب کہاں ہیں؟'' فرید نے کامران بٹ کا نام کچھ اس انداز میں لیا کہ جیسے کامران بٹ سے اس کی بہت جان پہچان ہے۔

''وہ تو انتقال کر گئے۔'' سنار نے جواب دیا۔

''کیا......؟'' فرید کو شدید دھچکا لگا ''مگر...... کیسے؟''

اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ خوب صورت پرکشش چہرے والا، خوش اخلاق اور صحت مند جوان ایسے اچانک مر بھی سکتا ہے۔

"بس ایک ماہ پہلے ہی ایک رات سینے میں درد اٹھا، انھوں نے خود ڈاکٹر کو فون کیا مگر ڈاکٹر کے پہنچنے سے پہلے ہی چند منٹوں میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ میں ان کا چھوٹا بھائی ہوں فرحان بٹ۔"

فرحان بٹ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اف...... یہ کیا ہو گیا؟"

فرید کو ایسے لگا جیسے اس کا کوئی عزیز فوت ہو گیا ہو۔ کچھ دیر تو وہ ایسے ہی بت بنا بیٹھا رہا۔ پھر نگینہ اٹھا کر جیب میں رکھ لیے اور دکان سے باہر آ گیا۔ اسی لمحے اسے کامران بٹ کا کاریگر نظر آیا۔ وہ ادھیڑ عمر کا دھان پان سا انسان تھا، اس نے دیکھتے ہی اسے سلام کیا اور بولا:

"چاچا! کیا کامران بٹ صاحب واقعی فوت ہو گئے ہیں؟" کاریگر نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"چاچا! سال پہلے میں آیا تھا اپنی بیوی کا زیور بیچنے۔ کامران صاحب نے مجھے جوس بھی پلایا تھا۔"

فرید نے یوں کہا، جیسے کاریگر نے اسے یاد رکھا ہو گا۔

"اچھا بیٹا! آئے ہو گے تم، معلوم نہیں کتنے لوگ آتے ہیں، مجھے شکلیں یاد نہیں رہتیں کیونکہ میں کام میں لگا رہتا ہوں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ کامران صاحب چلے گئے، بہت اچھے انسان تھے مگر......"

کاریگر چاچا نے کچھ کہتے کہتے زبان روک لی۔

"مجھے بتائیں نا! آخر کیا ہو گیا سب؟"

فرید نے اصرار کیا۔

"آؤ بیٹا! میں تمھیں بتاتا ہوں۔ کامران میرے بیٹوں جیسا تھا۔ وہ اپنے دل کی ہر بات مجھ سے کہہ دیا کرتا تھا۔"

چاچا یہ کہتے ہوئے فرید کو لے کر ایک چھوٹے سے ہوٹل کے باہر پڑے اسٹول پر بیٹھ گیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا:

"اس نے پسند کی شادی کی تھی عروج بی بی سے۔ شادی کو گیارہ سال گزر چکے تھے مگر اولاد کو ترس رہا تھا۔ کہتا تھا انکل میرا دل چاہتا ہے کہ گھر جاؤں تو بچے ابا کہہ کر مجھ سے لپٹ جائیں۔ میری پیاری سی بیٹی ہو، میں اُس کے لیے چوڑیاں اور فراک لے کر گھر جاؤں۔ میری بیوی خوش دلی سے میرا استقبال کرے......مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا، عروج مجھ سے لڑتی رہتی ہے۔ امیر باپ کی بیٹی ہے، ناراض ہو کر میکے چلی جاتی ہے اور کئی کئی ہفتے میری خبر نہیں لیتی۔ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، اتنی دولت ہے میرے پاس مگر کتنا غریب ہوں میں۔" چاچا کامران بٹ کے حالات بتا رہا تھا اور فرید کو اپنے اندر ایک انقلاب آتا محسوس ہو رہا تھا۔

"بس یہی غم اس کی جان کا روگ بن گئے۔ چلا گیا وہ اس دنیا سے، اس کی ساری دولت اس کے چھوٹے بھائی کو مل گئی۔ اب وہی دکان پر بیٹھتا ہے، دکان کی سیٹ تو بھر گئی مگر دکان خالی خالی سی ہو گئی۔"

چاچا کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

فرید گنگ بیٹھا تھا۔ آخر چاچا کو تسلی دے کر وہ اٹھا اور بوجھل قدموں سے چلتا واپس گھر پہنچ گیا۔

نبیلہ نے دروازہ کھولا۔ مسکرا کر اپنے شوہر کا استقبال کیا اور جلدی سے ٹھنڈے پانی کا گلاس بھر لائی۔

"آپ چائے پئیں گے؟ تھکے ہوئے لگ رہے ہیں؟"

اور پھر اس کا جواب سنے بغیر فوراً ہی چائے بنانے چلی گئی۔ وہ چائے لے کر آئی تو حیران ہی رہ گئی۔ آج نجانے کتنے عرصے بعد فرید اسے نظر بھر کے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں محبت تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ گھبرا سی گئی تھی۔

فرید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے اندر سے کوئی اسے کہہ رہا تھا:

"فرید! تُو تو سمجھتا تھا کامران بٹ فائدے میں رہا مگر اصل میں تو فائدے میں تُو رہا کہ تجھے اتنی وفا شعار، چاہنے والی اور سگھڑ بیوی ملی۔ اتنے پیارے فرمانبردار بچے ملے، جنھیں تُو ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا ہے۔"

"نہیں اب میں اپنے بچوں سے خوب پیار کروں گا، اپنی پیاری بیوی کی قدر کروں گا۔"

اُس نے بے ساختہ نبیلہ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر چوما اور آنکھوں سے لگا لیا۔

نبیلہ آج شوہر کی محبت کا یہ نرالا روپ دیکھ کر آنسو نہ ضبط کر سکی، مگر وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے، وہ بس اس کی محبت میں بھیگی آنکھوں کے ساتھ سرشار ہو رہی تھی۔

اُس دن جب بچے گھر آئے اور حسبِ عادت سلام کر کے کمرے میں جانے لگے تو فرید نے بانہیں پھیلا دیں: "آ جاؤ میرے دل کے ٹکڑو! میری جان آ جاؤ بابا کے پاس!"

دونوں بچے جو کافی عرصے سے بابا کے آ جانے کے بعد ڈرے سہمے سے بھیگی بلی بن جایا کرتے تھے، آج اپنے بابا کا وہی پرانا روپ دیکھ کر خوشی سے چلا اٹھے:

"بابا!......بابا!" فرید نے انھیں سینے سے لگا لیا۔

"ہاں فائدے میں تو میں رہا، کامران صاحب اللہ تمھاری قبر میں سکون بھر دے، تم تو گزر گئے مگر تمھاری کہانی نے میرے اندر کے انسان کو زندہ کر دیا ہے۔ میں تمھارا یہ احسان کبھی نہ بھول پاؤں گا۔" (سچے واقعے سے ماخوذ)

☆☆☆

## مسرور کر دیا

دنیائے دوں کے غم سے بہت دور کر دیا
شغلِ درودِ پاک نے مسرور کر دیا

حورانِ خلد نے نہیں جھیلیں مشقتیں
زوجہ کو جب ہی غیرتِ صد حور کر دیا

اس کی شقاوتوں کی کوئی انتہا بھی ہے
جس نے کہ خود کو دین سے ہی دور کر دیا

حسرت سے دل گرفتہ نہ ہو جائے اس لئے
معذور کو شکور نے ماجور کر دیا

بکھرا کے سات سَو سے زیادہ نشانیاں
خود کو حجابِ سبعہ میں مستور کر دیا

اس چارہ گر پہ کیوں نہ ہوں قربان اک جہاں
جس نے اثر مریض کو دکتور کر دیا

اترے کہاں جہاز سکینہ کا جب اثر
ناظر نے دل حوالۂ منظور کر دیا

صرفِ نظر کیا تو بتوں نے کیا سوال
کیا شے ہے جس نے آپ کو مغرور کر دیا

**اثر جونپوری**

31

# سہارا

## ایک مومنہ کی کہانی
## اس کا آشیانہ
## تنکا تنکا بکھر گیا

بنت الاسلام



ماجد مصنوعی انداز میں ہنسنے اور باتیں کرنے کی کوشش میں لگا رہتا مگر اس کی پریشانی بدستور قائم تھی۔

کئی دفعہ رات کو منیرہ نے دیکھا کہ وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا ہوتا یا کسی سوئے ہوئے بچے کے تکیے پر جھکا دبی دبی ہچکیاں لے رہا ہوتا۔

اِس انسان کو آخر کیا ہو گیا تھا۔ منیرہ بعض اوقات عاجز آجاتی، خدا ایسا خاوند تو کسی کو نہ دے جو عمر بھر مسئلہ ہی بنا رہے۔

بچوں کا اسکول کھلے چند ہفتے ہی ہوئے تھے۔ موسم ابھی کافی گرم تھا کہ لاہور سے صالحہ بیگم کا خط آیا کہ اپنی صحت کی کمزوری کے پیشِ نظر اخلاق صاحب نے فیصلہ کرلیا ہے کہ بڑے دونوں لڑکوں امجد اور سعید اور دونوں بچیوں ارجمند اور شائستہ کی شادیاں کردیں۔

خط میں شادیوں کی تاریخیں بھی لکھی ہوئی تھیں اور منیرہ کو تاکید کی ہوئی تھی کہ وہ ماجد اور بچوں سمیت ایک ہفتے پہلے لاہور آجائے۔

خط پڑھ کر خوش ہونے کی بجائے منیرہ کا دل کچھ گھبرا سا گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ لاہور جانا نہیں چاہ رہی۔ اسے اپنے آپ پر تعجب ہونے لگا۔ اس سے پہلے تو وہاں پہنچنے کے لیے وہ تڑپ تڑپ جایا کرتی تھی۔ لاہور جانے کا تصور ہی اس کے لیے انتہائی خوش کن ہوتا تھا اور اب جب ایک ایسا موقع پیدا ہو گیا تھا کہ ماجد بھی کسی طور پر اسے نہیں روک سکتا تھا تو اب وہ وہاں جانے سے گھبرا رہی تھی۔

وہ سوچنے لگی کہ کیا وہ واقعی اس مرحلے پر پہنچ چکی ہے جہاں پہنچ کر عورت کو اپنا گھر اتنا عزیز ہو جاتا ہے کہ وہ ماں باپ کے گھر کو بھی بھول جاتی ہے یا جو انجانا سا خوف اس کے دل میں سما گیا تھا، اس نے اس کے دل سے لاہور کی کشش بھی کم کردی تھی۔

وہ خط لے کر ماجد کے پاس پہنچی جو حسبِ دستور اپنے بستر پر لیٹا جاوید، عافی اور منے کو مائی بچاں کی کہانی سنا رہا تھا۔

منیرہ نے اس کے ہاتھ میں خط دیتے ہوئے کہا: ”دیکھیے نا! امی ابا جی کو کیا سوجھی ہے۔ یہ بھلا موسم ہے شادیاں کرنے کا اور پھر ابھی تو بچوں کے اسکول کھلے ہیں ان کا کتنا حرج ہوگا۔ میرا تو اس وقت بالکل جانے کو جی نہیں چاہ رہا۔“

ماجد کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پیدا ہوگئی۔ زندگی میں پہلی بار ایسے ہوا تھا کہ منیرہ نے لاہور نہ جانے کی خواہش کا اظہار کیا ہو، ورنہ لاہور تو ہر وقت اس کے حواس پر سوار رہتا تھا۔ ماں باپ، بہن بھائی اور والدین کے گھر سے زیادہ وہ خود لاہور کو یاد کیا کرتی تھی۔ اتنا کہ ماجد کو لاہور شہر ہی سے چڑ ہوگئی تھی، حالانکہ وہ اس کا اپنا ضلع بھی تھا۔ اور اب وہ کہہ رہی تھی کہ وہ لاہور جانا نہیں چاہتی۔

ماجد نے بڑے اطمینان اور مسرت کا لمبا سانس لیا اور گویا اسے لاہور جانے کی طرف مائل کرتے ہوئے کہنے لگا:

”منیرہ! اب تو جانا ہی ہوگا۔ اکٹھی چار شادیاں آگئیں مگر میرے لیے تو ایک ہفتہ پہلے جانا مشکل ہے۔ اتنی چھٹی تو نہیں مل سکے گی۔ تم بچوں کو لے کر چلی جاؤ۔ میں ایک دو دن پہلے ضرور آجاؤں گا۔“

منیرہ با دلِ نخواستہ چلی تو گئی مگر اس کا دل گھر ہی میں اٹکا رہا۔

بچے تو ننھیال جاتے ہی سب کچھ بھول بھال گئے اور شادی کے ہنگاموں میں ایسے کھوئے کہ انھوں نے ایک بار بھی نہ پوچھا کہ گھر کہاں ہے اور باپ کا کیا حال ہے؟ مگر منیرہ کا دل بے چین ہی رہا۔ وہ کال کر کے ماجد کی خیریت دریافت کرلیتی اور اسے لاہور آنے کی تاکید کرتی۔

پندرہ ستمبر کو امجد اور سعید کی باراتیں جانی تھیں اور سولہ کو ان کے ولیمے کے دن ارجمند اور شائستہ کی رخصتی تھی۔ چودہ تاریخ تک ماجد ابھی لاہور نہیں پہنچا تھا حالانکہ وعدے کے مطابق اسے تیرہ تاریخ ہی کو آجانا چاہیے تھا۔ چودہ کی شام کو منیرہ نے پھر اسے کال کی اور اس کے نہ پہنچنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ کسی بڑے ہی ضروری کام کے باعث اسے کراچی جانا پڑ گیا ہے اور وہ شادیوں میں شرکت نہیں کر سکے گا۔

منیرہ نے اِس ”بڑے ہی ضروری کام“ کے متعلق بہت سوال کیے مگر ماجد نے اسے ایک سرکاری راز بتایا اور کسی طرح بھی اس راز کو فاش کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔

منیرہ سخت آزردہ ہوئی۔ اس شخص نے ہمیشہ اس سے ایسا برتاؤ رکھا تھا جیسے وہ ایک کمسن، ناتجربہ کار، بھولی بھالی بچی ہو جسے آسانی سے باتوں میں اڑایا جاسکتا ہو۔ ماجد نے منیرہ سے بھی بہت معذرت کی اور صالحہ بیگم اور اخلاق صاحب کو بھی فون پر بلا کر اُن سے نہ آنے کی معافی بار بار مانگی مگر وہ ”سرکاری راز“ بتانے کو تیار نہ ہوا جس کے لیے اسے شادی سے عین ایک دن پہلے کراچی بھیجا جارہا تھا۔

شادیوں میں سب رشتے دار اور دوسرے بہت سے ایسے لوگ آئے ہوئے تھے جنھیں ملنے کی منیرہ ہمیشہ مشتاق رہی تھی، مگر اپنی قلبی کیفیت کے باعث وہ ان کی ملاقات سے پوری طرح محظوظ بھی نہ ہوسکی۔ پھر ماجد کے نہ پہنچنے کے باعث لوگ سخت متعجب تھے اور منیرہ کے پاس کوئی بہانہ نہ تھا جس کو وہ اس کی غیر حاضری کا معقول عذر بنا سکتی۔ بار بار ”سرکاری کام، سرکاری کام“ کہتے کہتے وہ تنگ آگئی تھی۔ (جاری ہے)

# میزان

فرزانہ چیمہ

ہال سامعین سے کچھا کھچ بھرا ہوا تھا اور مہمانِ خصوصی جو ایک ماہر تعلیم تھیں، بڑی زور دار تقریر کر رہی تھیں۔ وقفے وقفے سے ہال تالیوں سے گونج اٹھتا، وہ فرما رہی تھیں:

''علامہ اقبال اور قائد اعظم کا پاکستان اِس لیے نہیں بنا کہ یہاں طبقاتی کشمکش کو فروغ ملے...... یہ کشمکش خواہ لسانی ہو...... علاقائی ہو...... تعلیمی ہو، ہر لحاظ سے قابلِ مذمت ہے۔ تعلیم کے لحاظ سے ہمیں دو بلکہ کئی طبقوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ انگریزی میڈیم عیسائی ادارے...... انگریزی میڈیم مسلم ادارے اور اردو میڈیم یتیم و مسکین ادارے...... ہم اِس طبقاتی تعلیم کے خلاف ہیں...... لارڈ میکالے کے نظام اور نصاب کے خلاف ہیں...... ہمیں نظریۂ پاکستان میں جینا ہوگا، اسی کی محبت میں مرنا ہوگا، اسی کا نصاب پڑھنا ہوگا، نہیں چاہیے ہمیں لارڈ میکالے کا نظام......!''

تالیوں کے شور میں وہ اسٹیج سے نیچے اتریں تو انھیں چند اخبار نویسوں نے گھیر لیا۔

''میڈم بہت زبردست تقریر کی آپ نے...... کیا عالی خیالات تھے اور کیا روانی تھی...... بس ایک آدھ سوال کا جواب دیتی جائیے۔''

''جی...... جی کیوں نہیں......؟'' وہ فخر سے سرشار کھڑی تھیں۔

''آپ کے بچے کیا کر رہے ہیں آج کل؟''

''جی وہ سب کے سب ابھی اسکول ایج میں ہیں، کیوں کیا میں بہت بڑی لگتی ہوں۔'' وہ اٹھلا کر بولیں۔

''نہیں...... نہیں ہرگز نہیں...... بوڑھے لگیں آپ کے دشمن یعنی کہ مرد حضرات۔''

''میڈم! آپ کے بچے کہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں؟''

دوسرے اخبار نویس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''جی میرا بڑا بیٹا ایف سی کالج میں ہے، بیٹی کنیرڈ کالج میں گئی ہے اور چھوٹا بیٹا اسی سال ایچی سن کالج میں داخل کروایا ہے۔''

اخبار نویس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''جی؟...... وہ...... وہ نظریۂ پاکستان؟...... مم میرا مطلب ہے......''

مگر وہ پوری بات سنے بغیر ہی پرس جھلاتی، جوڑا سہلاتی باہر کو چل دیں۔

☆......☆

''ہائے ہائے میرے تو نصیب ہی پھوٹ گئے، مجھے کیا پتا تھا اس بڑھاپے میں یہ پھپھے کٹنی میرا بیٹا لے اڑے گی۔'' وہ زانو پر ہاتھ مار مار کر خشک آنکھوں سے رو رہی تھیں۔

''اماں! کیا ہوا...... خیریت تو ہے......؟''

رفیعہ کتاب چھوڑ چھاڑ کر بھاگتی ہوئی صحن میں آئی۔

''ارے خیریت کہاں ہونی تھی، وہ تو اسی دن اِس گھر سے رخصت ہوگئی تھی جب یہ کلموہی بیاہ کر میرے ہاں آئی تھی۔''

''اماں! آپ نے خود ہی تو رشتہ مانگا تھا اتنے چاؤ سے عابدہ بھابی کا...... اب کیا ہوگیا......؟'' رفیعہ حیرت سے بولی۔

''ہاں ہاں میری ہی عقل پر پردہ پڑ گیا تھا، مجھے کیا پتا تھا کہ یہ ایسے گل کھلائے گی۔'' وہ پھر اپنے زانو پر دوہتڑ مار کر دوپٹے سے خشک آنکھیں پونچھنے لگیں۔

''ہائے کیا گل کھلا دیے بھابی نے، ذرا صبر و سکون سے بتائیے تو سہی۔'' رفیعہ گھبرا سی گئی۔

''ارے بتاؤں کیا، کوئی ایک بات ہو تو بتاؤں بھی!...... کیا بتاؤں کیا نہ بتاؤں یہ تو میرے بیٹے کو دیمک کی طرح اندر ہی اندر سے چاٹ جائے گی۔ اب دیکھو نا! دفتر سے آتے ہی اسے ساتھ لے کر نجانے کہاں چلی گئی ہے۔ گئی ہوگی اماں باوا کے گھر...... اے میں کہتی ہوں بہو کوئی لائے تو دور پار کے شہر سے لائے، ایک شہر میں میکہ ہو تو اسے سسرال میں ٹکنے ہی نہیں دیتا۔''

''سمندر پار سے نہ لے آیا کریں بہو۔'' رفیعہ شوخی سے بولی۔

''اے چل ہٹ! سمندر پار سے آئے گی تو پھر ساتھ صرف نگوڑی انگریزی ہی لائے گی، جہیز وغیرہ نہیں لائے گی۔'' وہ سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

''اب دیکھو نا! آئے دن کے سیر سپاٹے...... بازاروں میں شاپنگ اور اماں کے گھر کے پھیرے...... اے میں کہتی ہوں، اچھا بھلا ہوتا تھا میرا امراد، اب شادی کے بعد کیسا نامراد ہوگیا ہے۔ بیوی کے ساتھ سائے کی طرح چپکا رہتا ہے۔''

''اماں! چھوڑیں اِس غیبت کو، اِدھر نمازیں پڑھتی ہیں اُدھر غیبت کر کے اپنی نمازیں دوسروں کو دے دیتی ہیں...... گئی ہوں گی کسی کام سے...... یہ تو بتائیے آپا رابعہ کب آ رہی ہیں؟ اتنے دن ہوگئے انھیں چکر لگائے ہوئے۔ شادی کے بعد تو انھیں پتا نہیں کیا ہوگیا ہے، نہ میرے پاس بیٹھتی ہیں، نہ میرے اسکول کا حال احوال پوچھتی ہیں۔''

''اے لڑکی! تیرے منہ میں خاک...... ہو کچھ اُس کے دشمنوں کو...... وہ تو اپنے میاں کے ساتھ سنگاپور گئی تھی تو ابھی آئی ہی نہیں...... ہائے کیسی شوقین ہے میری بیٹی سیر و سیاحت کی اور کیسا جان چھڑکتا ہے اُس کا شوہر بھی۔ جہاں کہتی ہے لے جاتا ہے۔ اے میں تو کہتی ہوں اللہ ایسے داماد سب کو دے۔ کیسا لدا پھندا آتا ہے یہاں ہر ہفتے کی شام ہماری بیٹی کے ساتھ...... اور رابعہ کے تو گن گاتا ہے، بھئی سچی بات ہے ویسے تو شوہر سر کا تاج ہوتے ہیں مگر یہاں تو ہماری رابعہ شوہر کے سر کا تاج بنی بیٹھی ہے۔ جہاں جائیں گے اکٹھے جائیں گے...... ایک ساتھ کھانا کھائیں گے چاہے اُس کی ماں انگاروں پر لوٹ لوٹ جائے...... جم جم انگاروں پر لوٹے، کیسی قسمت والی ہے میری رابعہ۔''

وہ دوپٹہ پھیلائے آنکھیں موندے اپنے سعادت مند داماد کو دعائیں دینے لگیں۔

''اماں! مراد بھائی اور عابدہ بھابی کو بھی دعا میں شامل کر لیں۔''

رفیعہ نے شرارت سے کہتے ہوئے ماں کا کندھا ہلایا۔

’’چل دفع دور...... اُس نامراد کا میرے سامنے نام نہ لے...... زن مرید کہیں کا۔‘‘

☆......☆

’’بیگم شیرازی! خیر سے اگلے ہفتے نوید بیٹے کی شادی خانہ آبادی ہے۔ آپ آج شام ضرور آیئے گا۔‘‘

بیگم زیدی نے خلوص سے کارڈ تھماتے ہوئے کہا۔

’’ارے واہ...... مبارک، مبارک...... زبردست خبر سنائی آپ نے۔ کہاں جا رہی ہے بارات......؟ ہمیں تو بھئی ویسے سے زیادہ بارات کے ساتھ جانے کا شوق ہوتا ہے، کیسا وی آئی پی ٹریٹ کرتے ہیں لڑکی والے۔‘‘ بیگم شیرازی بے تکلفی سے بولیں۔

’’ہاں ہاں کیوں نہیں۔ بھلا آپ کے بغیر ہماری بارات سجے گی؟ لڑکی والوں سے ہم نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ بھئی بارات کا استقبال کرنا ہوگا شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں...... اب روز روز تو یہ موقع آتا نہیں، لڑکے کی ماں نے بھی ایک ہی دفعہ اسٹیج پر چڑھنا ہوتا ہے۔‘‘

’’اور ایک ہی دفعہ کلائیوں میں کڑے بھی پہننا ہوتے ہیں۔‘‘

بیگم شیرازی ہنس کر بولیں۔

’’ہاں تو اور کیا...... اب دیکھیں نا پلا پلایا خوب صورت جوان لڑکا اُن کی بیٹی کے نام کرتے ہیں، کوئی مذاق تھوڑا ہی ہے، ایسے میں کیا ہوا جو ڈھائی تین تولے کے کڑے ہی ماں کو پہنا دیں۔ آخر ماں کا درجہ بھی تو تین حصے زیادہ رکھا ہے خالق نے...... اب دیکھیں نا لڑکے کو چند سوٹ اور اس کی بہنوں کو چھوٹے موٹے زیورات اور کپڑے دے دیے تو کیا قیامت آجائے گی...... باقی جو سامان دیں گے وہ تو اُن کی اپنی بیٹی کا ہو گا نا۔ ہمارے سر پر کیا احسان......؟‘‘

پھر کچھ سوچ کر بیگم زیدی پھر گویا ہوئیں۔

’’ہم نے تو مہندی بھی ایک ہوٹل میں ہی رکھوائی ہے۔ دونوں کی طرف سے مشترکہ فنکشن ہوگا...... مشترکہ گیٹ ڈانس...... روز روز شادی کا موقع تھوڑا آتا ہے میں نے تو خاندان کے تمام لڑکے لڑکیوں سے کہہ دیا ہے کہ بھئی اپنے اپنے ڈانس بھنگڑوں کی تیاری خوب کرلو، اس کی ویڈیو ایک نہیں تین تین لوگ بنائیں گے، باہر بھی بھیجنی ہے نا اپنے رشتے داروں کو۔‘‘

’’پھر تو خوب ہلہ گلہ رہے گا۔‘‘ بیگم شیرازی خوشی سے کھل اٹھیں۔

’’ارے کوئی ایسا ویسا! میں تو کہتی ہوں نوید کی شادی ایسی ہو کہ مدتوں لوگوں کے ذہن میں تازہ رہے۔‘‘

بیگم زیدی نے تصور میں ڈوبتے ہوئے اپنی آنکھیں موند لیں، پھر جیسے انھیں کچھ یاد آ گیا۔

’’اچھا میں چلتی ہوں۔ ابھی سارا انتظام کرنا ہے۔ آج شام چار بجے ضرور آیئے گا۔‘‘

’’مگر شادی تو اگلے ہفتے ہے، مہندی اس سے دو دن پہلے، پھر آج کیا کرنا ہے۔‘‘

وہ حیرت سے بولیں۔

’’ہائے بیگم شیرازی! آپ بھول گئیں ہماری خاندانی روایات کو۔ بھئی ہم تو اپنی ہر تقریب کا آغاز قرآن پاک کے ختم سے کرتے ہیں خیر و برکت کے لیے، آج بھی خواتین نے قرآن پڑھنے آنا ہے، پھر رات کو ڈھولک رکھ کر سات روزہ تقریبات کا آغاز کردیں گے، زندگی سے بھرپور تقریبات کا۔‘‘

☆......☆

’’بیگم! بھائی صاحب کا فون آیا ہے۔ عادل کو یہیں لاہور میں داخلہ مل گیا ہے مگر فی الحال ہوسٹل میں......‘‘

’’ہاں ہاں میں سمجھ گئی اب صاحبزادے صاحب ہمارے ہاں ڈیرے ڈالیں گے۔‘‘

بیگم نے درمیان سے بات کاٹ دی۔

’’بھئی ڈیرے کہاں ڈالے گا۔ چند ماہ ہوسٹل کی سیٹ ملنے تک بس قیام کرے گا، وہ تو خود بچوں کا کسی رشتے دار کے ہاں ٹھہرنا پسند نہیں کرتے مگر اب تو مجبوری ہے۔ بھئی اپنا گھر چھوڑ کے وہ اور کہاں رہے۔ آخر بھائی کا بیٹا ہے کوئی غیر تھوڑا ہے۔‘‘

’’کیوں نہیں غیر تو میرے بہن بھائی ہیں...... یاد ہے چھوٹے پپو نے بی اے کیا تھا یہاں رہ کر میرے پاس اور بے چارے نے صرف چار سال ہی لگائے تھے تو آپ نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔‘‘

’’جی ہاں! بس صرف چار سال ہی تو لگائے تھے اور بی اے پھر بھی نہ کر سکے محترم! بھئی میں آسمان سر پر کیا اٹھاتا، میں تو پپو میاں کو نہیں اٹھا سکتا تھا، اتنے بھاری بھرکم اسٹوڈنٹ تھے۔‘‘

’’اوہو! تو اب سمجھی، بچے کی صحت دن بدن گرتی کیوں جا رہی تھی آپ جو اسے نظروں میں رکھتے تھے...... بے چارہ کھاتا ہی کیا تھا...... ناشتے میں دیسی گھی کے صرف دو چار پراٹھے اور سات فرنچ ٹوسٹ...... اور کیا کریں ہم سب کو ہی میٹھا بہت پسند ہے تو دوپہر کو......‘‘

’’بس بس بیگم! پپو میاں کا تفصیلی کھانا مت بتاؤ ورنہ رات سے صبح ہوجائے گی اور پھر وہ کوئی بھولنے والی بات ہے؟ اب عادل کو ٹھہرانے کے لیے کوئی انتظام کرو۔ بھائی صاحب نے تو نہیں کہا صرف ہوسٹل میں جگہ نہ ہونے کا بتایا ہے، لیکن میرا تو فرض ہے کہ میں اِس مشکل میں اُن کے کام آؤں۔‘‘

’’بس بس تو پھر آپ چپ رہیے۔ میں تو سمجھی تھی کہ انھوں نے خود کہا ہے، مگر کوئی ضرورت نہیں ہے حاتم طائی بننے کی...... ویسے بھی میں تو آپ کو بتانا ہی بھول گئی کہ کل میری آپا زینت اور اُن کے سات بچے ہمارے ہاں آ رہے ہیں۔ دولہا بھائی چار ماہ کی ٹریننگ پر باہر جا رہے ہیں اب ظاہر ہے سگی بہن نہ کام آئے تو کیا غیر کام آئیں گے؟‘‘

’’ہوں...... تو یہ بات ہے...... بھئی روبی! ایک تو تم عورتوں کے لینے کے باٹ اور ہوتے ہیں اور دینے کے اور...... مگر یاد رکھو، اوپر بھی ایک میزان ہے...... جس میں عادل اور پپو میاں...... کا وزن بھی ضرور ہوگا...... وہاں کیسے ڈنڈی مارو گی......؟ پپو میاں یہاں جتنے بھاری ہیں وہاں شاید اتنے ہی ہلکے نکلیں گے۔‘‘

’’ہائے ہائے ہلکے ہوں میرے دشمن...... ہلکے ہوں تمھارے سب لگتے لگاتے۔‘‘

’’ارے ذرا دیکھیو تو...... ذرا سنیو تو یہ میرے شوہر ہیں؟ میرے رفیق حیات ہیں! ارے ایسے ہوتے ہیں رفیق حیات؟ یہ تو رقیب حیات ہیں رقیب حیات۔‘‘

☆☆☆

# انٹرویو باجی عامرہ احسان مدظلہا

3

> انسانی شخصیت، اس کے اجزائے ترکیبی، مزاج، رجحانات، میلانات آج بھی عین وہی ہیں جو بابا آدم علیہ السلام یا اماں حوا علیہا السلام کے تھے!

(مصباح اشرف۔ للیانی سرگودھا)

**سوال:** انٹرویو دیتے ہوئے کیسا محسوس کر رہی ہیں؟ کیوں کہ مرد حضرات کی نسبت خواتین کے لیے ہر سوال کا جواب دینا میری رائے میں ایک مشکل بات ہے۔

**جواب:** انٹرویو دینا (جو میں نے آج تک نہیں دیا) فی نفسہٖ بہت مشکل کام ہے۔ 'اسلام' اخباریوں بھی میرا مربی، مزکی ہے۔ کسی نہ کسی آیت، حدیث، واقعے، کہانی کے پیرائے میں لکھا خاموشی سے سامنے آکر میری خطائیں، غلطیاں جتا کر اصلاح کا سامان کر جاتا ہے۔ تصاویر اور شوبز نما رطب و یابس سے پاک ہونے کی بنا پر اثر انگیزی بڑھ جاتی ہے۔ اب اسے انٹرویو دینا حوصلے کا کام ہے۔ قارئین عالم فاضل ہوں اور انٹرویو بگھارنے والی چٹی اَن پڑھ!

**سوال:** جس طرح بے ساختہ، برجستہ اور نپے تلے انداز میں آپ لکھتی ہیں، تو اس طرح لکھنا چاہنے والوں کو کوئی گر کی بات بتانا چاہیں گی؟

**جواب:** لکھنے کے لیے اللہ کی مدد کے ساتھ (اونٹنی باندھنے کو) پڑھنا ضروری ہے۔ جتنا اور جیسا پڑھیں گے ویسے الفاظ قلم میں آن اتریں گے۔

(منیبہ الیاس۔ کبیروالا)

**سوال:** باجی جان! مجھے اللہ کے لیے آپ سے شدید محبت ہے۔

**جواب:** اللہ مجھے اس محبت کا اہل بنادے۔ اللھم لاتواخذنی بمایقولون واغفرلی مالایعلمون واجعلنی خیر ممایظنون۔

**سوال:** آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے موجودہ زمانے میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟

**جواب:** شوہر کے سوا بھی کوئی ہوسکتا ہے؟ یہ جواب اتباع سنت اور تحدیث نعمت کے طور پر ہے۔ نبی ﷺ سے جب یہ سوال پوچھا گیا تھا تو آپ ﷺ نے (عرب معاشرے کا مزاج جاننے کے باوجود) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا تھا۔

(خولہ بنت احسان۔ کمالیہ)

**سوال:** ادبی سفر کا آغاز کیسے ہوا؟

**جواب:** لکھ لیتی ہوں بس۔ اردو ادب ضابطے سے نہیں پڑھا سوا اسکول کالج کی دو چار جماعتوں میں پڑھی جانے والی اردو کی نصابی کتب کے!

**سوال:** ایک عورت کو سب سے پہلے اپنی شخصیت کے کس عنصر پر سب سے زیادہ محنت کرنی چاہیے؟

**جواب:** کہ وہ ایک مکمل نسوانی عورت بنے۔ (اس دور کا المیہ صنفی انتشار اور الجھاؤ ہے) نمونۂ عمل امہات المومنین اور صحابیات کو بنائے۔ شخصیت کے اس حصے پر اولین اور ضروری کام اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ہے۔ آپ اسے روایتی دینی جواب سمجھ کر ان شاء اللہ خاموش نہ ہورہیں گی۔ دنیاوی سائنسی تعلیم کی ڈگریاں، ترقی کے سپر پاوری مرکز امریکا میں رہائش اور عمر بھر کے تجربے کا نچوڑ آپ کے سامنے رکھ رہی ہوں۔ ترقی تمام تر خارج میں ہوتی ہے۔ انسانی شخصیت، اس کے اجزائے ترکیبی، مزاج، رجحانات، میلانات آج بھی عین وہی ہیں جو بابا آدم علیہ السلام یا اماں حوا علیہا السلام کے تھے! یونیورسٹی کے زمانے میں سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی کتاب سیرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا ابتدائی دینی مطالعے میں پڑھی تھی، اس کا سحر آج بھی کم نہیں ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بے مثل لازوال رفاقت، مکہ کی رئیسہ خاتون، ایثار و قربانی اور محبت و راحت کی خوب صورت ازدواجی داستان! مضبوط شخصیت کے اعتبار سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، صحابیات میں اسماء بنت عمیس، حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا متاثر کن ہیں۔ یہ فہرست بہت طویل ہے۔ اکیسویں صدی ہو یا اٹھائیسویں۔ واللہ! آج بھی عورت کے لیے نمونہ ہائے عمل یہی ہیں۔ دوسری

طرف آج کی عورت کے لیے امریکا کی فرسٹ لیڈی جل بائیڈن کی ایک جھلک کافی ہے۔ ۷۰ سال کی عمر میں نہایت اونچی پنسل ہیل والی پاپوش پر ایستادہ، لباس سے محروم ٹانگیں، ۳۰ سالہ خاتون کے حلیے میں (نجانے کیسے!) چھٹیاں منا کر لوٹنے کی تصویر، غیر حقیقی، مصنوعی زندگی کی ایک تصویر تھی۔ آخرت کا جس کوچے میں گزر نہیں ہے! یہ ہمارے ہاں کی عورت کو نمونہ عمل بنا کر دکھائی جاتی ہے، اس لیے تقابل کے لیے دکھا رہی ہوں۔

(بنات عائشہ۔رحمن گڑھ،خانیوال)

**سوال:** آپ نے اتنا اچھا لکھنا کیسے سیکھا اور یہ بھی بتائیں کہ لکھنے کے مخصوص وقت کون سا ہے جو مناسب ہو؟

**جواب:** لکھنے کے لیے صرف فراغت درکار ہوتی ہے، لہٰذا خاتونِ خانہ مرد حضرات کی طرح الگ کمرہ، دفتر بنا کر تو لکھ نہیں سکتی۔ گھر کے چوراہے (لاؤنج) میں ساری ٹریفک، فون، چڑھی ہانڈی، بجتی گھنٹیوں سے سمجھوتا کرتے ہوئے ہی لکھنا ہوتا ہے! اسی لیے زیادہ کام رات کے وقت ہی ممکن ہوتا ہے۔ اگر چہ اب بچوں سے فراغت کے بعد دن میں بھی بیٹھی آپ کے سوال کا جواب دے رہی ہوں!

**سوال:** کیا آپ مزاحیہ ادب پڑھتی ہیں؟ جیسے مشتاق احمد یوسفی، شفیق الرحمن، پطرس بخاری وغیرہ کو؟

**جواب:** ضابطے سے مزاحیہ ادب نہیں پڑھا۔ نرا مزاح جو مقصدیت سے خالی ہو طبیعت سے انسیت نہیں رکھتا، البتہ شگفتہ تحریر اچھی لگتی ہے۔ سید مودودیؒ کی تحریروں میں یہ وصف موجود ہے۔

(شمسہ شکیل۔ایبٹ آباد)

**سوال:** مدیر صاحب کا خواتین کا اسلام میں آئینہ گفتار اور بچوں کا اسلام میں دستک آپ باقاعدگی سے پڑھتی ہیں یا صفحہ پلٹ دیتی ہیں؟

**جواب:** آئینہ گفتار اور دستک زیرِ مطالعہ رہتے ہیں۔ آئینہ بھی صبح دیکھا ہی جاتا ہے اور دستک دیئے بغیر داخل ہو جانا تو یوں بھی خلافِ ادب ہے۔

**سوال:** اپنی پسندیدہ خوشبو، قرآن کریم کے علاوہ پسندیدہ کتاب اور پسندیدہ دعا کا نام بتائیے۔

**جواب:** خوشبو کے حوالے سے عجب معاملہ ہے۔ جہاں بدبو کا خوف رہتا ہے، وہاں حدیث خوشبو (عورت کے لیے تاکید و تنبیہ) سے بہت ڈراتی ہے، لہٰذا میسر ہلکی خوشبو کا کبھی کبھار ہی استعمال ہوتا ہے۔ بدذوق یا بے ذوق سمجھ لیجیے۔ نام بھی نہیں آتے! معارف الحدیث (مولانا منظور نعمانی)، الرحیق المختوم (صفی الرحمن مبارک پوری)...... مزید فہرست بہت طویل ہے! پسندیدہ دعا:

اللھم انی اسئلک الراحۃ عند الموت والعفو عند الحساب۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا: اللھم فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ... الخ (یوسف:101)

(ام خدیجہ۔رحیم یار خان)

**سوال:** آپ کو اپنی کتابوں میں سب سے زیادہ کون سی کتاب پسند ہے؟

جواب: ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے: 'میں ایک نہیں دو ہوں' اس لاعلمی کے دور میں یہ بالکل بنیادی بات سامنے رکھتا ہے۔

**سوال:** کیا آپ عمر کے کسی بھی حصے میں آپ ضعیف الاعتقاد رہی ہیں؟

جواب: چونکہ ایمانی زندگی کا آغاز قرآن کے ترجمہ و تفسیر اور مطالعہٗ احادیث سے ہوا، اس لیے بحمد اللہ ضعیف الاعتقادی کی گنجائش نہ تھی۔

(عفت شیراز)

**سوال:** کیا آپ کو شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی ہے۔ اگر ہاں تو آپ کے پسندیدہ شاعر کون ہیں؟

**سوال:** کیا کبھی کسی غزل کے کسی شعر نے آپ کے دل کے تاروں کو چھیڑا ہے اور آپ کسی غزل سے بے حد متاثر ہوئی ہوں؟

**جواب:** (۱۔۲) بامقصد شاعری پسند ہے۔ گل و بلبل، عارض و رخسار والی رکیک شاعری نہیں۔ رقیق شاعری جو رقیق القلب بنا دے۔ دل کو نرم کر کے، اسے دھونے دھلانے کا کچھ سامان کر دے۔ قلبِ سلیم مل جائے، جو دل کے تار چھیڑے، نفس، نفسانیت کے نہیں! اقبال کے سوا کون بجے گا! دورِ حاضر میں نعیم صدیقی، ذکی کیفی، عامر عثمانی کی شاعری مقصدیت لیے ہوئے ہے سو وہ پسند ہے۔ گزشتہ بیس سالوں میں لکھی گئی احسن عزیز شہید کی شاعری دل کو چھوتی ہے۔ اقبال کا ایک شعر حسبِ حال ہے سو پسند ہے

اس پیکرِ خاکی میں اک شے ہے سو وہ تیری
میرے لیے مشکل ہے اس شے کی نگہبانی

(جاری ہے)

مرے بچوں کو اللہ رکھے، اِن تازہ ہوا کے جھونکوں نے
میں خشک پیڑ خزاں کا تھا، مجھے کیسا برگ و بار کیا

بچے ہمارے معاشرے کا اہم حصہ ہیں۔ پاکستان میں کل آبادی کا تقریباً ۵۰ فی صد بچے ہیں۔ بچوں کے حقوق پورے کرنا ہماری ذمے داری ہے۔ بچے اپنے حقوق کے لیے لڑنا نہیں جانتے۔ عام طور پر بچوں کے حقوق کی ابتدا اُن کی دنیا میں آمد کے بعد سے سمجھی جاتی ہے یا زیادہ سے زیادہ مادر بطن سے، جب وہ ابھی دنیا میں نہیں آئے ہوتے۔ یعنی حمل کے دوران میں ماں کی صحت، پیدائش کے وقت محفوظ زچگی اور پھر پیدائش کے بعد ذمے داریوں کا ایک مستقل سلسلہ۔

## نسلوں میں منتقل ہونے والی بیماری

# تھیلیسیمیا

لیکن یہ بات بہت سے لوگوں کے لیے شاید نئی ہوگی کہ بچوں کے حقوق کا سلسلہ تو اُسی وقت سے شروع ہوجاتا ہے، جب شادی کا ارادہ کیا جائے اور سوچا جائے کہ کس معیار پر اپنے بچے یا بچی کے لیے رشتہ ڈھونڈا پرکھا جائے۔ جی ہاں جہاں اور بہت سارے حقیقی یا خود ساختہ معیارات موجود ہیں، وہیں ایک بہت ہی اہم چیز رشتہ دیکھنے میں یہ بھی ہونی چاہیے کہ کہیں ہونے والے دولھا دلھن میں دونوں کو تھیلسیمیا مائنر (چھوٹا تھیلسیمیا) تو نہیں ہے......!

ڈاکٹر عذرا جمال رفیق، چائلڈ اسپیشلسٹ: سیلانی تھیلسیمیا کیئر سینٹر

یہ ایک بہت اہم چیز دیکھنے والی ہے تاکہ ہماری آئندہ نسلیں تھیلسیمیا جیسی مہلک بیماری سے محفوظ رہ سکیں۔

آیئے ہم اِس بیماری کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

### تھیلسیمیا (thalassemia) کیا ہے:

یہ لفظ یونانی زبان کے ایک لفظ Thallus سے اخذ کیا گیا ہے، جس کا معنی سمندر ہے۔ یہ بیماری سب سے پہلے یونان میں دریافت ہوئی جو بحیرہ قلزم کے کنارے واقع ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تھیلسیمیا دراصل دو الفاظ کا مرکب ہے، تھیلس بمعنی سمندر اور انیمیا بمعنی خون کی کمی۔ امریکا کے ایک بچوں کے ڈاکٹر (pediatrician) تھامس کولی (Thomas Coli) نے ۱۹۲۵ء میں سب سے پہلے اٹلی کے ایک مریض میں اِس بیماری کی علامات دریافت کیں۔

یہ بیماری موروثی طور پر والدین سے بچوں میں منتقل ہوتی ہے۔ یہ ہماری کھانسنے، چھینکنے، ساتھ بیٹھنے اٹھنے، ساتھ کھانے پینے سے ایک دوسرے کو منتقل نہیں ہوتی۔ یہ کوئی متعدی مرض نہیں ہے اور نہ ہی اُس کا کوئی حفاظتی ٹیکہ ہے۔ یہ ایک مہلک بیماری ہے جس سے اگر بچاؤ نہ کیا جائے تو بہت ہی تکلیف دہ نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان جسے پہلے ہی بچوں میں سوکھے کا مرض، متعدی امراض، جہالت اور غربت کا سامنا ہے، وہ تھیلسیمیا جیسی بیماری کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

اگرچہ یہ بیماری سب سے پہلے یونان میں دریافت ہوئی مگر آہستہ آہستہ لوگوں کے ایک ملک سے دوسرے ملک سفر کرنے مختلف قوموں کے درمیان آپس میں شادی کرنے اور ہجرت کی وجہ سے پوری دنیا میں پھیل گئی۔ آج جبکہ پوری دنیا گلوبل ویلیج بن چکی ہے اور وہ بیماریاں جو پہلے خاص اقوام یا گروہوں تک محدود تھیں، اب پوری دنیا میں پھیل چکی ہیں، انھی میں تھیلسیمیا بھی شامل ہے۔ ویسے دنیا کے کچھ علاقے ایسے ہیں، جہاں تھیلسیمیا بہت عام ہے۔ یہ علاقے تھیلسیمیا بیلٹ (thalassemia belt) کہلاتے ہیں۔ یہ مغرب میں یونان سے شروع ہوکر افریقا، مشرق وسطیٰ، ایران، پاکستان اور ہندوستان سے گزرتے ہوئے مشرق بعید، چین اور انڈونیشیا تک کا علاقہ ہے۔

### پاکستان میں تھیلسیمیا:

پاکستان میں بیٹا تھیلسیمیا جین کی شرح 6 فی صد ہے۔ یہ 5 سال پہلے کی شرح ہے۔ آبادی میں اضافے کے ساتھ اس شرح میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۲۰۲۵ء میں آبادی ۲۵ کروڑ تک پہنچ جائے گی اور بیٹا تھیلسیمیا (Beta thalassemias) جین سے متاثرہ افراد کی تعداد ڈیڑھ کروڑ ہوجائے گی، جب کہ ۲۰۰۰ میں میں ان کی تعداد ۸۰ لاکھ تھی۔ اُس کا تناسب پورے پاکستان میں یکساں نہیں ہے۔ جن خاندانوں میں بیٹا تھیلسیما موجود ہے، اُن میں تقریباً پندرہ سے سترہ افراد تھیلسیما مائنر کا شکار ہیں، جب کہ وہ خاندان جن کے فرد میں تھیلسیمیا کی تشخیص نہیں ہوتی، وہ اس بیماری سے محفوظ رہتے ہیں۔

## تھیسلیمیا کی اقسام

اِس بیماری کی دو بڑی اقسام ہیں:

### (۱) چھوٹا تھیلسیمیا یا تھیلسیمیا مائنر
(B thalassemias Minor):

اِس کے حامل افراد دراصل مریض نہیں ہوتے کیوں کہ اُس کا اثر انسانی زندگی پر کوئی خاص نہیں ہوتا۔ یہ لوگ جسمانی اور ذہنی ہر لحاظ سے صحت مند ہوتے ہیں۔ اُن کی نشوونما بھی نارمل ہوتی ہے اور اُن کی اوسط عمر بھی بالکل نارمل ہوتی ہے۔ اِس لیے انھیں اِس بات کا علم ہی نہیں ہوتا کہ اُن کے جین (Gene) میں کوئی نقص ہے اور یہ لاعلمی ہی اُن کے بچوں کے لیے خطرہ بن جاتی ہے اور وہ کسی ایسے بچے کی پیدائش کا سبب بن

سکتے ہیں جو تھیلسیمیا میجر یا بڑے تھیلسیمیا کا شکار ہو۔

بیٹا تھیلسیمیا مائنز کبھی بھی میجر نہیں بن سکتا۔ تھیلسیمیا کی جو قسم موروثی طور پر بچے کو ملی ہوتی ہے، وہ ساری زندگی ایک ہی رہتی ہے اور اس میں کمی یا زیادتی نہیں ہوتی، البتہ اگر خون کی کمی فولاد کی کمی کی وجہ سے ہو تو اُس کا علاج کرانے کے بعد تھیلسیمیا کا ٹیسٹ کروانا چاہیے، ورنہ غلط رپورٹ آنے کا خدشہ ہوتا ہے۔

## کیفین

جو دودھ پیتا بچہ بہت روتا ہو۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ماں بہت زیادہ چائے پیتی ہے، جس کی کیفین ماں کے دودھ میں شامل ہو کر بچے کے جسم میں جاتی ہے تو نازک جسم کیفین کے تیز اثرات برداشت نہیں کر سکتا، لہٰذا بچہ رونا شروع کر دیتا ہے۔ چائے چھوڑ کر چند دن آزما کر دیکھ لیں۔ (م۔ب اٹک شہر)

چھوٹا تھیلسیمیا یا بیٹا تھیلسیمیا مائنز اگرچہ کوئی بیماری نہیں ہے اور مردوں پر اس کے اثرات بالکل نہیں ہوتے، لیکن اُس کی حامل خواتین حمل کے دوران میں خون کی کمی کا شکار ہو سکتی ہیں اور انھیں کئی بار خون چڑھانے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ انھیں دورانِ حمل فولک ایسڈ جو ایک وٹامن ہے، اُس کا استعمال زیادہ کرنا چاہیے تاکہ پہلے سے خون میں معمولی کمی مزید کمی کا باعث نہ ہو جائے۔ چھوٹے تھیلسیمیا کے علاج کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی اور نہ ہی اُس کے حامل افراد کی زندگی میں کوئی کمی ہوتی ہے۔ مسئلہ اُس وقت سامنے آتا ہے جب مائنز کی شادی مائنز سے ہو جائے، یوں پیدا ہونے والے بچوں کے تھیلسیمیا میجر ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے۔

آیئے ہم ذرا اس بیماری کے ممکنات کا جائزہ لیتے ہیں:

| والدین میں تھیلسیمیا | | بچوں میں تھیلسیمیا کی قسم اور تناسب | | |
|---|---|---|---|---|
| والد/والدہ | والد/والدہ | نارمل | مائنز | میجر |
| نارمل | نارمل | 100% | - | - |
| تھیلسیمیا مائنز | نارمل | 50% | 50% | - |
| تھیلسیمیا میجر | نارمل | - | 100% | - |
| میجر | مائنز | - | 50% | 50% |
| میجر | میجر | - | - | 100% |
| مائنز | مائنز | 25% | 50% | 25% |

اوپر دیے ہوئے چارٹ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تھیلسیمیا مائنز کی اہمیت اُس وقت ہے، جب اُس کے حامل لڑکے اور لڑکی میں شادی ہو جائے۔ کیوں کہ پھر اگلی نسل میں تھیلسیمیا میجر منتقل ہونے کے امکانات کچھ بچوں میں ہوتے ہیں جو کہ اگلی نسل کو گویا ایک بڑی مصیبت، اذیت اور آزمائش کی منتقلی ہے۔ اِس لیے عقل اِس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ دو تھیلسیمیا مائنز کے حامل افراد آپس میں شادی نہ کریں تاکہ آئندہ نسلوں کو اِس بیماری سے بچایا جا سکے۔

اِس بات کو دہرانے کی بار بار ضرورت ہے کہ تھیلسیمیا مائنز کوئی بیماری نہیں اور نہ ہی اُس کے کسی بھی علاج کی ضرورت ہے اور نہ ہی کبھی اُس کے تھیلسیمیا میجر میں بدلنے کا خطرہ ہے۔ جیسا کہ بہت سی بیماریوں میں ہوتا ہے کہ اگر علاج وقت پر نہ ہو معمولی سے بڑھ کر شدید اور خطرناک حد تک بڑھ جاتی ہیں، جیسے ٹی بی، کینسر وغیرہ۔ البتہ تھیلسیمیا مائنز کے حامل افراد کو فولک ایسڈ کا استعمال زیادہ رکھنا چاہیے۔

### (۲) تھیلسیمیا میجر (Thalassemia major):

دراصل تھیلسیمیا میجر ہی اصل تھیلسیمیا کی بیماری ہے جو کہ تکلیف اور آزمائش کی ایک طویل داستان ہے۔ اِس بیماری کے حامل بچوں کے جسم میں خون نہیں بنتا اور ہر ۱۵ دن یا ایک مہینے میں انھیں خون چڑھایا جاتا ہے جو کہ ایک تکلیف دہ عمل ہے۔ ہر بار خون چڑھانے کے بعد خون کے سرخ خلیوں (Red blood cells) کی ٹوٹ پھوٹ سے اور ہیموگلوبن میں موجود فولاد (Heme) کے نکلنے سے اِن بچوں کے خون میں فولاد یا آئرن کی مقدار بڑھتی چلی جاتی ہے، جو کہ جسم کے مختلف اعضاء میں جمع ہو کر اُن کے عمل کو متاثر کرتی ہے۔ آئرن کو کم کرنے کے لیے دوائیں (Iron Chelating) دی جاتی ہیں تو اُن کے اپنے منفی اثرات ہوتے ہیں۔

اور یہ سارے مراحل اِس بیماری کے علاج کے نہیں ہیں کیوں کہ اِن تمام چیزوں سے بیماری ختم نہیں ہوتی اور نہ ہی تھیلسیمیا میجر کبھی بھی تھیلسیمیا مائنز بنتا ہے۔ یہ زندگی کے ساتھ رہتا ہے اور بچے کو ہمیشہ اِن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، جو اُس کے لیے ذہنی اور جسمانی تکلیف کا سبب بنتا ہے۔ جسمانی اور ذہنی دباؤ، مالی وسائل میں کمی اور سماجی پریشانی سے پورا خاندان متاثر ہوتا ہے۔ اگر خون کی اسکریننگ نہ ہوئی ہو تو خون چڑھوانے سے بعض بچوں کو کالا پیلیا بھی ہو جاتا ہے۔

### تھیلسیمیا میجر کا مکمل علاج:

تھیلسیمیا میجر کا مکمل علاج ہڈی کا گودا بدلنے کی صورت میں ہے، جس کو بون میرو ٹرانسپلانٹ (bone marrow transplant) کہتے ہیں، جو کہ مہنگا ترین علاج ہے اور ہر بچے کے لیے مناسب بھی نہیں ہے۔ یہ علاج NIBD (National institute of blood disease) میں موجود ہے مگر ہر شخص نہ تو اِس علاج کا متحمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہر بچے کے لیے یہ طریقہ علاج مناسب ہے، البتہ کچھ خاص بچوں میں اُس کا علاج مخصوص دوا ہائیڈریا کے ذریعے کیا جاتا ہے اور کافی کامیاب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے اپنے جسم میں خون بننے لگتا ہے اور خون چڑھانے کی ضرورت نہیں رہتی، مگر یہ طریقہ علاج بھی ہر بچے میں کارآمد نہیں ہے۔ اُس

کا فیصلہ خون کی بیماری کے ماہر ڈاکٹر اور بچوں کے ڈاکٹر کرتے ہیں کہ کن بچوں میں اس دوا کو شروع کیا جائے۔

## تھیلسیمیا کی تشخیص:

خون کا ایک عام سا ٹیسٹ (CBC) کروانے سے خون کی کمی پتا چل جاتی ہے اور تھیلسیمیا کا شک ہوسکتا ہے، مگر اُس کی مکمل تشخیص خون کے ایک خاص ٹیسٹ کے ذریعے ہی ہوتی ہے، جسے (Hemoglobin electrophoresis) ہیمو گلوبن الیکٹروفورسز کہتے ہیں۔ یہ ٹیسٹ 8 ماہ کی عمر میں بچوں کا کروالینا چاہیے۔ یہ ایک ہی دفعہ ہوتا ہے اور اس کی رپورٹ بدلتی نہیں۔ یہ ٹیسٹ صحیح وقت میں کروایا جائے، خون کی کمی کی دوسری وجوہات (آئرن کی کمی وغیرہ) کا علاج کروالیا جائے اور خون چڑھوانے سے پہلے پہلے کروالیا جائے۔

اگر ایمرجنسی کی صورت میں یہ ٹیسٹ کروائے بغیر خون چڑھوانا پڑ گیا ہے تو 3 سے 4 مہینے تک انتظار کریں، پھر ٹیسٹ کروائیں۔ اِس ٹیسٹ میں تین قسم کے ہیموگلوبن ہوتے ہیں۔ تھیلسیمیا میجر میں HbF بہت بڑھ جاتا ہے اور تھیلسیمیا مائنر میں HbA2 معمولی سا بڑھا ہوتا ہے۔ ماہر ڈاکٹر ہی آپ کو اُس کے متعلق تفصیل سے بتائیں گے۔ یہ ٹیسٹ ہر شخص کو ضرور کروا کر اپنے ڈاکٹر سے مشورہ لینا چاہیے۔

## تھیلسیمیا میجر سے پاک پاکستان
## (Thalassaemia free Pakistan):

یقین جانیے، یہ ممکن ہے اگر ہم سب اِس کی کوشش مل جل کر کریں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ پاکستان میں ہی کچھ کمیونٹی والوں نے تھیلسیمیا سے نجات حاصل کر لی ہے۔ اُس میں بوہری کمیونٹی اور میمن کمیونٹی شامل ہیں۔ ہم سب اِس کے لیے کیا کر سکتے ہیں، آیئے ذرا جائزہ لیں:

۱۔ ہر شخص اپنا اور اپنے گھر کے تمام افراد کا جن میں بچے بھی شامل ہیں، ہیموگلوبن الیکٹروفورسز کا ٹیسٹ کروائے۔

۲۔ شادی سے پہلے یہ ٹیسٹ ضرور ہونا چاہیے۔ اسمبلی میں یہ بل ڈاکٹر معین الدین مرحوم کی سعی کے نتیجے میں پاس ہو چکا ہے، مگر اس پر عمل درآمد نہیں ہو رہا۔

۳۔ دو تھیلسیمیا مائنر کے افراد آپس میں شادی نہ کریں۔

۴۔ اگر دو تھیلسیمیا مائنر کی آپس میں شادی ہوچکی ہے تو بہتر ہے کہ اُن کے بچے نہ ہوں، ورنہ بچے تھیلسیمیا میجر کا شکار ہوسکتے ہیں۔

۵۔ اگر بچوں کا ارادہ ہو یا حمل ٹھہر گیا ہو تو حمل کے دسویں ہفتے میں ہونے والے بچے کا (CVS) ٹیسٹ کروالیں، جو کہ (Prenatal Diagnosis) زچگی سے پہلے کا تشخیصی ٹیسٹ ہے۔

۶۔ اگر اس ٹیسٹ کے ذریعے ہونے والے بچے میں تھیلسیمیا میجر کا پتا چل جائے تو چار ماہ سے کم کا حمل ضائع کروادیں (فتویٰ موجود ہے)۔

مندرجہ بالا طریقوں سے پاکستان سے اِس بیماری کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

یہ ٹیسٹس بہت سے فلاحی ادارے بھی کر رہے ہیں، مگر یہ ٹیسٹ اتنا مہنگا نہیں کہ پوری زندگی کو داؤ پر لگا دیا جائے۔ ذرا غور کریں کہ ہم اور ہمارے بچے یہ ٹیسٹ کروا کر اور صحیح وقت میں صحیح فیصلہ کر کے اِس موذی اور اذیت ناک بیماری سے نہ صرف خود کو بلکہ اپنی نسلوں کو بھی محفوظ کر سکتے ہیں۔ اپنے آپ سے سوال کریں کہ ہم اور ہمارے بچے کہاں کہاں فضول خرچی کر رہے ہیں۔ کیا اُن سے بچ کر زندگی بچانے کا سودا نہیں کر سکتے.....؟!

☆☆☆

چار بار

لکھیں گے ہم بھی نظم اثرؔ اس پہ بار بار
شائع ہو گر ہزارواں نمبر ہزار بار
ایسے ہی مثلِ قندِ مکرر چکھیں مزید
بنتے ہیں جیسے دولھا کئی مرد چار بار

اثر جونپوری

# تھوڑی سی محنت

**ضرورت صرف تھوڑی سی محنت کی ہے......**
**آپ کی نیت خالص ہوگی تو منزل خود بخود آسان ہوجائے گی!**

بنت مسعود احمد

کمرے کا ماحول نہایت خوش گوار تھا، سب آپس میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اچانک بھابی نے سب کو خاموش کرواکر اپنی طرف متواجہ کیا۔ دوسرے کمرے میں موجود وہ بھی ہمہ تن گوش ہوگیا۔

''میں اگلے سال فارس کی شادی کررہی ہوں، سب تیاری پکڑلیں۔''

بڑی بھابی کی چہکتی آواز اسے کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی، پھر سب کی مبارکباد دینے کی آوازیں آنے لگیں۔

دوسرے کمرے میں موجود ارسل کو یکدم سے تنہائی کا احساس بے چین کرگیا۔

اس نے ہاتھ اٹھا کرانگلی کی کھردری پوروں پر حساب لگایا۔

اس کے بھانجے فارس کی منگنی پچھلے سال ہوچکی تھی اور اب شادی متوقع تھی جبکہ ارسل کی شادی کی پروا کسی کو نہ تھی۔ وہ سب بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ والدہ وفات پاچکی تھیں، بہنیں اپنے گھروں کی تھیں، کبھی اس کی شادی کا ذکر خیر چھڑ جاتا۔ لڑکیاں اسے دکھائی جاتیں۔ اسے فیشن کی ماری لڑکیاں پسند نہ آتیں اور وہ حیران ہوتا کہ کیا بہنیں میرے مزاج سے واقف نہیں؟

یوں ایک دو لڑکیاں دکھا کر پھر سب اپنی زندگیوں میں مصروف ہوجاتے اور ارسل پر یہ ٹھپا لگادیا جاتا کہ اسے کوئی لڑکی پسند آتی ہی نہیں۔

☆......☆

چھوٹی عمر سے ہی وہ ایک اسکول میں پڑھا رہی تھی اور ساتھ اُس کی اپنی پڑھائی بھی جاری تھی۔

وہ تین بہنیں تھیں، بھائی کوئی نہ تھا۔ جب وہ میٹرک میں تھی تب اس کے بابا ایک حادثے میں چل بسے تھے۔ بڑی بیٹی کو وہ اپنی زندگی میں ہی بیاہ چکے تھے، اب عافیہ اور آسیہ باقی تھیں۔ آسیہ کو پھپو نے اپنے بیٹے کے لیے مانگ لیا، سو وہ بھی پیا دیس سدھار گئی۔

اب صرف عافیہ اور اماں اکیلی رہ گئیں۔ دو کمروں کا چھوٹا سا مکان اُن کی کل کائنات تھا۔ سر چھپانے کا ٹھکانا میسر تھا، باقی کے اخراجات عافیہ کے ذمے تھے۔ ماں بیمار رہتی تھیں، ان کی دوائیوں کا خرچ اضافی تھا جو عافیہ اپنی جاب اور ٹیوشن سے جیسے تیسے پورا کررہی تھی۔

عمر کی بتیس بہاریں بے کیفی سے گزر چکی تھی مگر قبول صورت عافیہ کسی کی نظروں میں نہ سما سکی تھی۔ وہ پڑھی لکھی، با اخلاق اور پر وقار شخصیت کی مالک تھی۔ بہت خوبصورت نہ سہی مگر پر کشش ضرور تھی۔ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے بڑی شدت سے اپنی تنہائی کا احساس ہوتا، اس کی ہم عمر سہلیاں سبھی بیاہی جاچکی تھیں، مگر وہ ہنوز اکیلی تھی۔

ماں کو بھی عافیہ کی بے رنگ مشقت بھری زندگی پر ترس آتا مگر وہ بھی بے بس تھیں۔ عافیہ کو دیکھنے آنے والے بڑی بے رحمی سے اسے رد کرجاتے۔ اپنی خدمت گزار بیٹی کے لیے وہ ہر لمحہ دعا گو رہتیں۔

☆......☆

''بھابی! آپ کے بھائی کے لیے کوئی لڑکی ملی؟'' عرشی نے صائمہ سے پوچھا۔

''کہاں بھئی؟ جانے کون سی حور پری چاہیے ہمارے بھائی جی کو......؟''

صائمہ خود بھی عرشی کے پاس آبیٹھی۔

''ایک لڑکی ہے میری نظر میں، اگر آپ کے بھائی راضی ہوں تو......!''

عرشی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اچھا کون؟''

''عدینہ کی کلاس ٹیچر ہے، مجھے بہت اچھی لگتی ہے، اسکول کی ہیڈ مسٹریس سے میری کافی اچھی بات چیت ہے، انہی کی جاننے والی ہے، انھوں نے ہی مجھ سے کہا تو میرے ذہن میں سب سے پہلا خیال آپ کے بھائی کا آیا۔ اگر آپ کہیں تو بات کروں آگے۔''

''لڑکی پڑھی لکھی ہے جاب کرتی ہے، ہمارا بھائی میٹرک پاس ہے، بھلا وہ راضی ہوگی؟'' صائمہ کو اندیشیوں نے گھیرا۔

''بھابی! پہلے لڑکی تو دیکھ لیں، باقی بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔''

پھر ایک دن عرشی صائمہ کو لے کر عافیہ کے گھر جا پہنچی۔

عافیہ کی امی بے حد اخلاق سے ملیں اور صائمہ کو وہ اپنے بھائی کے لحاظ سے بہت پسند آئی، پھر آگے کے معاملات حکم ربی سے طے پاتے چلے گئے۔

یوں فارس کی شادی میں چھوٹے چاچو ارسل کے ہمراہ اُن کی شریک حیات عافیہ چچی نے بھی شرکت کی۔

عرشی کی تھوڑی سی محنت سے کئی اداس چہروں پر مسکراہٹ کے پھول کھل گئے۔

آپ بھی عرشی کی طرح اپنے اردگرد نظر دوڑایا کریں۔ آپ کو کہیں نہ کہیں ارسل جیسے لڑکے بھی مل جائیں گے اور عافیہ کے روپ میں بھی کئی لڑکیاں نظر آجائیں گی۔ ضرورت صرف تھوڑی سی محنت کی ہے۔ آپ کی نیت خالص ہوگی تو منزل خود بخود آسان ہوجائے گی اور یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں۔

☆☆☆